

# شہدائے کربلا

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقویؒ

کے بعد کیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

روضۃ الصفاء<sup>(۲)</sup> میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔ سپہر کاشانی نے بھی درج کیا ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۱۰۷) عمیر بن عبد اللہ مذحجی

ابن شہر آشوب نے انہیں سعد بن حنظلہ تمیمی کے (بعد) درج کیا ہے۔<sup>(۴)</sup> دناسخ<sup>(۵)</sup> میں بھی ان کا ذکر ہے۔

(۱۰۸) قرۃ بن ابی قرۃ الغفاری

ابن شہر آشوب نے ان کو یحییٰ بن سلیم مازنی کے بعد لکھا ہے۔<sup>(۶)</sup> اور روضۃ الصفا<sup>(۷)</sup> میں بھی ان کا ذکر ہے۔

(۱۰۹) مالک بن اوس مالکی

سپہر کاشانی نے ان شہداء کی فہرست میں جو بھار وغیرہ میں مذکور نہیں ہیں ان کی شہادت کا تذکرہ اس طرح درج کیا ہے:-

”دیگر مالک بن اوس المالکی

بروایت اعصم کوفی کہ از بزرگان

علمائے اخبار و موثقین راویان

آثار است، با شمشیر کشیدہ

بمیدان تاخت۔۔ الخ“<sup>(۸)</sup>

(۱) مناقب، ج ۴ ص ۹۵ (۲) ج ۳ ص ۵۸۲ (۳) ناخ التواریخ، ج ۶ ص ۲۷۳

(۴) مناقب، ج ۴ ص ۹۴ (۵) ج ۶ ص ۲۶۵ (۶) مناقب، ج ۴ ص ۹۵

(۷) ج ۳ ص ۵۸۲ (۸) ناخ، ج ۶ ص ۲۷۸

(۱۰۴) عبد الرحمن بن عبد اللہ یزنی

ابن شہر آشوب نے ان کا ذکر مسلم بن عوسجہ کے بعد کیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

اور روضۃ الصفاء، جلد ۳ صفحہ ۵۸۴ میں سعید بن عبد اللہ حنفی کے بعد ان کا تذکرہ ہے۔

(۱۰۵) علی بن مظاہر اسدی

سپہر کاشانی نے ان کا ذکر کیا ہے فہرست میں ان شہداء کی جو بحار وغیرہ میں درج نہیں ہیں۔ اور لکھا ہے کہ وہ ابراہیم بن الحسین اسدی کے بعد میدان جنگ میں آئے اور لڑ کر شہید ہوئے۔<sup>(۲)</sup>

ابو مخنف اور شرح شافیه کا حوالہ دیا گیا ہے لیکن یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مقتل ابو مخنف مفقود ہے اور شرح شافیه مجہول اور اگر ان کی کوئی حقیقت فرض کی جائے تو وہ حبیب بن مظاہر کے بھائی معلوم ہوتے ہیں لیکن حبیب کے ساتھ ان کے کسی بھائی کے ہونے کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں ہے۔ علی بن مظاہر کے متعلق ایک روایت شب عاشور کی ہے جو ذاکرین کی زبانوں پر مشہور ہے لیکن اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔

(۱۰۶) عمرو بن مطاع جعفی

ابن شہر آشوب نے ان کا ذکر مالک بن انس کاہلی

(۱) مناقب، ج ۴ ص ۹۵ (۲) ناخ التواریخ، ج ۶ ص ۲۷۷

### (۱۱۴) یحییٰ بن کثیر انصاری

ان کا ذکر سپہر کاشانی نے کیا ہے اور ابو مخنف، اور  
'شرح شافیہ' کا حوالہ دیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

### (۱۱۵) یحییٰ بن ہانی بن عروہ مرادی

حضرت مسلم کو پناہ دینے والے ہانی کے فرزند۔  
علامہ مامغانی نے اہل سیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب ہانی  
اور مسلم قتل ہو گئے تو ہانی کے فرزند یحییٰ بھاگ کر اپنی قوم  
کے پاس مخفی ہو گئے۔ جب انہیں امام حسینؑ کے کربلا میں  
ورود کی اطلاع ہوئی تو وہ کربلا آ کر حضرت کے ہمراہ ہوئے  
اور روز عاشور شہید ہوئے۔<sup>(۲)</sup> اہل سیر سے کون لوگ مراد  
ہیں یہ راز سربستہ ہے۔ 'طبری' کی روایت سے بالکل اس  
کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔ اس میں ان کی زبانی روایت  
درج ہے جو واقعہ کربلا سے متعلق ہے۔

”ہشام بن محمد کلبی کہتے ہیں کہ مجھ کو ابو مخنف نے  
اطلاع دی ان سے یحییٰ بن ہانی بن عروہ نے بیان کیا کہ  
نافع بن ہلال روز عاشور جنگ کر رہے تھے اور یہ شعر پڑھ  
رہے تھے:

”انا الجملی انا علی دین علی۔“<sup>(۳)</sup>

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ واقعہ کربلا میں شہید  
نہیں ہوئے۔

یہ وہ نام<sup>(۴)</sup> ہیں جن کی حقیقت پر مجھے ابھی کافی  
بھروسہ نہیں ہے۔ ممکن ہے مجھے اس کے بعد بعض  
ناموں کے متعلق کافی رجحان پیدا ہو جائے تو میں انہیں  
شہداء کی فہرست میں داخل کر دوں۔

(۱) ناخ، ج ۶ ص ۲۷۱ (۲) تنقیح المقال، ج ۳ ص ۳۲۲ (۳) طبری،  
ج ۶ ص ۲۳۹ (۴) سلسلہ نمبر ۹۲ تا ۱۱۵ جو (\*) سے ممتاز ہیں۔ (ادارہ)

اب کس طرح اس کا یقین ہو جب کہ اعصم کوئی  
جس کو صاحب ناخ ”از بزرگان علمائے اخبار موثقین  
راویان آثار“ لکھ رہے ہیں ایک بالکل مجہول شخص ہے  
جس کی کوئی اصلیت ثابت نہیں۔

### (۱۱۰) مالک بن دودان

ابن شہر آشوب نے ان کی شہادت کو غلام ترکی کے  
بعد ذکر کیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

ناخ نے ان شہداء کی فہرست میں جو بحار وغیرہ میں  
درج نہیں کئے گئے ہیں جابر بن عروہ غفاری کے بعد لکھا  
ہے ”از پس او مالک بن داؤد حضرت امام علیہ  
السلام را سلام داد و بمیدان شتافت۔“<sup>(۲)</sup>

### (۱۱۱) محمد بن مطاع

سپہر کاشانی نے شرح شافیہ کے حوالہ سے ان کی  
شہادت کا ذکر کیا ہے۔<sup>(۳)</sup>

### (۱۱۲) معالیٰ بن العلی

شرح شافیہ اور ابو مخنف کے حوالہ سے بیان کیا گیا  
ہے کہ وہ بڑے بہادر تھے۔ جنگ کر کے زندہ گرفتار کئے  
گئے اور عمر بن سعد کے پاس لے جائے گئے۔ اس نے بھی  
ان کی بہادری کی تعریف کی اور ان کے سر قلم کرنے کا حکم  
دیا۔<sup>(۴)</sup>

### (۱۱۳) یحییٰ بن سلیم مازنی

ان کا ذکر ابن شہر آشوب نے عبد الرحمن بن عبد اللہ یزنی  
کے بعد کیا ہے۔<sup>(۵)</sup> روضۃ الصفا<sup>(۶)</sup> میں بھی ان کا ذکر ہے۔

(۱) مناقب، ج ۴ ص ۹۶-۹۵ (۲) ناخ، ج ۲ ص ۲۷۸ (۳) ناخ، ج ۶ ص ۲۷۸  
(۴) ناخ التواریخ، ج ۶ ص ۲۷۸ (۵) مناقب، ج ۴ ص ۹۵ (۶) ج ۳ ص ۸۴۲

### حصہ سوم

پہلے اور دوسرے حصہ میں انصار سید الشہداء اور اصحاب کا تذکرہ ہوا ہے یعنی وہ شہدائے کربلا جو بنی ہاشم میں سے نہ تھے۔ اور امام کے ساتھ کوئی خاص قرابت نہ رکھتے تھے۔ اب وقت آیا ہے کہ بنی ہاشم کے حالات کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ ترتیب اس کی سلسلہ شہادت کی ترتیب کے مطابق ہے یعنی جس شہید کی شہادت پہلے واقع ہوئی ہے اُس کا تذکرہ پہلے اور جس کی شہادت بعد کو ہوئی ہے اُس کا ذکر بعد کو ہے۔ توفیق و قبولیت خداوند عالم کے فضل و کرم سے وابستہ ہے۔

(علی نقی القنوی عفی عنہ۔ یکم ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ)

(۱۱۶/۱)

### بنی ہاشم میں سب سے پہلا شہید

عام طور سے بنی ہاشم میں سب سے پہلے فرزند ان مسلم کی شہادت کا تذکرہ ہوتا ہے اور سب سے آخر میں جناب علی اکبر کے میدان جنگ میں جانے کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ مگر تاریخ اور حدیث دونوں کی معتبر شہادت کی بنا پر میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ بنی ہاشم میں سب سے پہلے شہید جناب علی اکبر ہیں۔ اسی خیال پر میں نے ”اسوہ حسینی“ میں زور دیا ہے۔ اور اسی کو ”مجاہدہ کربلا“ میں درج کیا ہے اور اسی پر اب بھی قائم ہوں۔

طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے:

”کان اول قتیل من بنی ابی طالب یومئذ علی اکبر بن الحسین بن علی“

”سب سے پہلے مقتول اس دن ابوطالب کی اولاد میں سے علی اکبر ہیں۔ جو

حسین بن علی کے فرزند تھے۔“

البصار لعین میں ہے:

”قال ابو الفرج وغیرہ  
وکان اول من قتل بالطف من  
بنی ہاشم بعد انصار الحسین  
علی بن الحسین۔“

صاحب ”اغانی“ وغیرہ نے لکھا ہے کہ:

”انصار امام حسین کے بعد واقعہ کربلا  
میں سب سے پہلے بنی ہاشم میں سے جو شہید  
ہوئے وہ علی بن حسین ہیں۔“

شیخ ابن ادریس حلی نے سرائر میں لکھا ہے:

”هو اول قتیل فی الوقعة  
یوم الطف من آل ابی طالب“  
”وہ سب سے پہلے مقتول ہیں، واقعہ“

کربلا میں ابوطالب کی اولاد میں سے۔“

اور علامہ سید محسن امین عالمی ’اعیان الشیعہ‘  
(ج ۲ ص ۲۳۷) میں لکھتے ہیں:

”هو اول قتیل یوم  
کربلاء من آل ابی طالب۔“

اس کے علاوہ زیارت شہداء میں جو علامہ مجلسی کی  
تحفۃ الزائر میں سولہویں زیارت ہے جناب علی اکبر کے  
متعلق یہ الفاظ ہیں:

”السلام علیک یا اول  
قتیل من نسل خیر سلیل  
من سلالۃ ابراہیم الخلیل۔“  
”سلام ہو آپ پر اے سب سے پہلے  
مقتول اولاد میں سے بہترین شخص کی اولاد

ابراہیم خلیل میں سے۔“

ان تصریحات کی موجودگی میں اس روایت کے قبول کرنے سے قاصر ہوں جو مناقب ابن شہر آشوب وغیرہ میں درج ہے اور جس کو شہرت عام کا درجہ حاصل ہو گیا ہے کہ جناب علی اکبر واقعہ کربلا میں سب سے آخر میں شہید ہوئے ہیں۔

## حضرت علی اکبرؑ

### نام و نسب اور لقب

آپ کا نام علیؑ ہے اور سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کے فرزند تھے۔ والدہ آپ کی لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود بن معبد الثقفی۔ اور لیلیٰ کی ماں میمونہ بنت ابی سفیان بن حرب ہیں۔

اس طرح جناب علی اکبرؑ باپ کی طرف سے تو بنی ہاشم میں اور ماں کی طرف سے قبیلہ ثقیف میں داخل تھے اور آپ کی والدہ امیر شام معاویہ بن ابی سفیان کی بھانجی اور بادشاہ وقت یزید بن معاویہ کی پھوپھی زاد بہن ہوتی تھیں اس لحاظ سے جناب علی اکبرؑ کو موافق اور مخالف سب عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور آپ کی عظمت کا احساس کرتے تھے۔

عام طور سے آپ کے نام کے ساتھ ”اکبر“ کی لفظ بطور لقب مستعمل ہوتی ہے۔ اس لئے یہ خیال ضرور پیدا ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ مگر اس معاملہ میں شہرت اس کے خلاف ہے یعنی عام طور سے یہ مشہور ہے کہ واقعہ کربلا میں آپ کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی اور آپ اپنے بھائی امام زین العابدینؑ سے چھوٹے تھے۔ اس صورت میں آپ کے نام کے

ساتھ ”اکبر“ کی لفظ کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ آپ بہ نسبت علی اصغرؑ کے جو طفل ششماہہ تھے بڑے ہیں اور ان کے لحاظ سے اکبر کہے جاتے ہیں۔

اچھا پھر آئیے دیکھیں کہ حقیقت اس مسئلہ میں کیا ہے۔ سب سے پہلے ہمارے سامنے شیخ مفید طاب ثراہ کی کتاب الارشاد آتی ہے جس میں جناب ”علی اکبرؑ“ کو ”علی اصغرؑ“ کے نام سے یاد کیا ہے اور علی اکبر امام زین العابدینؑ کو قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

”للحسین ستة اولاد علی بن الحسين الاکبر کنیتہ ابو محمد و امہ شاہ زنان بنت کسری یزد جرد و علی بن الحسين الاصغر قتل مع ابیه بالطف و امہ ام لیلیٰ بنت ابی مرّة بن عروہ بن مسعود الثقفیه... الخ“

”یعنی امام حسینؑ کے چھ فرزند تھے۔ پہلے علی بن حسین اکبرؑ، آپ کی کنیت ابو محمد ہے اور آپ کی والدہ شاہ زنان بنت کسری یزد جرد تھیں۔ دوسرے علی بن حسین اصغرؑ آپ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ واقعہ کربلا میں شہید ہوئے اور آپ کی والدہ ام لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود تھیں۔“

شیخ طوسی نے کتاب الرجال میں اصحاب امام حسینؑ کے ذیل میں جناب علی اکبرؑ کا تذکرہ کیا ہے تو ان ہی الفاظ میں:

”علی بن الحسینؑ الاصغر  
قتل معہ امہ لیلیٰ۔۔ الخ“  
”علی بن حسین اصغر آپ کے ساتھ قتل  
ہوئے۔ آپ کی والدہ لیلیٰ تھیں۔“

سید ابن طاووس کا قول بھی ’ربیع الشیعہ‘ سے یہی نقل  
کیا گیا ہے کہ علی بن الحسینؑ الاکبر زین العابدینؑ ہیں جن  
کی والدہ شاہ زناں دختر کسریٰ یزدجرد تھیں اور علی اصغرؑ تھے  
جو اپنے والد بزرگوار کے ساتھ شہید ہوئے اور لوگ غلطی  
سے آپ ہی کو علی اکبرؑ کہتے ہیں۔

علامہ حلی نے ’خلاصۃ الرجال‘ میں بھی اسی کا تتبع کیا  
ہے اور کہا ہے:

”علی بن الحسینؑ الاصغر  
قتل معہ بالطف۔“  
”علی بن حسین اصغرؑ ہیں جو کربلا میں  
حضرت کے ساتھ شہید ہوئے۔“

دوسری طرف شیخ ابن ادریس حلی اس سے شدید  
اختلاف رکھتے ہیں۔ انھوں نے ’سرائر‘ کی ’کتاب المزار‘  
میں اس پر مستقل طور سے بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ  
تاریخی مسئلہ ہے۔ اس میں علماء و فقہاء کے اقوال سے زیادہ  
مؤرخین اور علمائے انساب کے بیانات معتبر ہیں جیسے زبیر  
بن بکار ’کتاب انساب قریش‘ میں اور ابوالفرج اصفہانی  
’مقاتل الطالبین‘ میں اور بلاذری اور مزی لباب فی اخبار  
الخلفاء میں اور عمری نسابہ ’کتاب المجدی‘ میں، انھوں نے  
اس کی پوری تحقیق کی ہے اور کہا ہے کہ ”ناواقف افراد کا یہ  
خیال ہے کہ علی جو کربلا میں شہید ہوئے ہیں وہ چھوٹے

تھے، یہ بالکل غلطی اور توہم ہے۔“ اور یہی قول صاحب  
’کتاب الزواجر والمواعظ‘ نے اور ابن قتیبہ نے ’کتاب  
المعارف‘ میں۔ اور ابن جریر طبری نے جو اس بارے میں  
ایک محقق کی حیثیت رکھتے ہیں اور ابن ابی الاثر ہرنے اپنی  
تاریخ میں اور ابوحنیفہ دنیوری نے ’اخبار طوال‘ میں  
اور صاحب ’کتاب الفاخر‘ نے جو ہمارے علمائے امامیہ  
میں سے تھے، جن کا ذکر شیخ طوسی کی کتاب فہرست مصنفین  
میں موجود ہے اور ابوعلی ابن ہمام نے ’کتاب الانوار‘ میں  
جو اہلبیت کے حالات اور ولادت و وفات کی تاریخ میں  
ہے اور وہ ہمارے علماء میں سے صاحب تصنیف اور محققین  
کے زمرہ میں داخل ہیں۔ یہ سب اسی قول پر متفق ہیں۔ اور  
ان کا قول زیادہ مستند ہے۔ اور آخر ہمارے نقطہ نظر سے  
اس میں حرج ہی کیا ہے کہ کربلا میں شہید ہونے والے علی  
بڑے ہوں اور وہ علی جو امام ہیں اپنے پدر بزرگوار کے بعد  
چھوٹے ہوں۔ آخر حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ  
بھی تو اپنے باپ کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔ لیکن  
اس کی وجہ سے آپ کے درجہ میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوئی۔  
شہید اول نے ’دروس‘ میں اس سے اتفاق کیا ہے اور  
جناب علی اکبرؑ کی زیارت کے حکم کے بعد لکھا ہے۔ ”وہو  
الاکبر علی الاصح“، ”آپ بنا بر قول اصح سب سے  
بڑے تھے۔“

ابن شہر آشوب نے بھی ’مناقب‘ (ج ۳ ص ۸۲)  
میں تحریر کیا ہے:-

”ابناؤ علی الاکبر الشہید  
امہ برہ بنت عروۃ بن مسعود

الثقفي وعلى الامام وهو على

الايوسط و على الاصغر و هما

من شهر بانويه۔“

”امام حسينؑ کے فرزند پہلے علی اکبر جو

کربلا میں شہید ہوئے۔ دوسرے علی جو امام

ہیں آپ علی اوسط تھے یعنی اپنے بھائیوں

میں منخلے تھے اور علی اصغر یہ دونوں شہر بانو

کے بطن سے تھے۔“

میرے خیال میں ایک محتاط فیصلہ کرنے والے کے  
اس اختلاف میں پاؤں ٹھٹھک جائیں گے اور وہ کوئی  
رائے قائم نہ کر سکے گا۔

ایک طرف شیخ مفید، شیخ طوسی، سید ابن طاووس، اور  
علامہ جلی، ایسے جلیل القدر مجتہدین ہیں۔ اور دوسری طرف  
ابن ادريس، شہید اول اور ابن شہر آشوب اور وہ کثیر التعداد  
مورخین جن کا حوالہ ابن ادريس نے دیا ہے۔ اگرچہ مجھے  
ان تمام مورخین کے بیانات کے متعلق پورے طور پر  
اطمینان نہیں ہے کہ انھوں نے اس معاملہ میں صراحت  
سے کام لیا ہوگا۔ جبکہ مذکورہ بالا حوالوں میں طبری کا نام بھی  
موجود ہے۔ لیکن تاریخ طبری میں اس امر پر کوئی واضح  
تبصرہ نہیں ہے۔ سوائے ان الفاظ کے جو پہلے درج ہو چکے  
ہیں کہ کان اول قتیل من بنی ابی طالب یومئذ  
علی اکبر ابن الحسین بن علی۔ اس میں آپ کے  
نام کے ساتھ اکبر موجود ہے۔ مگر میں کہہ چکا ہوں کہ یہ یقینی  
دلیل اس متنازع فیہ مسئلہ کے متعلق نہیں ہے جب کہ آپ  
کے نام کے ساتھ اکبر عام طور پر مشہور ہے، حالانکہ عموماً

آپ کو امام زین العابدینؑ سے چھوٹا سمجھا جاتا ہے۔ اس  
صورت میں اکبر کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ آپ کربلا میں  
نشانی تیر ستم ہونے والے علی اصغر سے بڑے ہیں جیسا کہ  
مشہور ہے۔ ممکن ہے اسی شہرت کی بناء پر طبری میں اکبر کی  
لفظ آپ کے نام کے ساتھ درج کر دی گئی ہو۔ کیا نہیں ممکن  
ہے کہ دوسرے مورخین کی کتابوں میں بھی صرف اتنا ہی ہو  
جیسے شیخ ابن ادريس نے اپنے قول کی دلیل قرار دیا ہے۔

### ولادت

آپ کا سن واقعہ کربلا میں اٹھارہ برس مشہور ہے۔  
اس صورت میں آپ کی ولادت ۴۲ھ میں قرار پاتی ہے۔  
اور یہ وہ وقت تھا جب امیر المومنینؑ کی شہادت ہو چکی تھی اور  
حضرت حسن مجتبیٰؑ امام خلق تھے۔

اور چونکہ امام زین العابدینؑ کی ولادت بزمانہ  
امیر المومنینؑ ہونا مسلم ہے اس لئے یقیناً آپ امام زین  
العابدینؑ سے چھوٹے ہوں گے۔ اسی بناء پر آقا شیخ  
عبداللہ مامغانی نے ”تنقیح المقال“ (ج ۲ ص ۲۸۱) میں  
آپ کے سن ہی کو مذکورہ بالا مسئلہ میں فیصلہ کن قرار دیا  
ہے۔ وہ کہتے ہیں:-

”ہما ملأت بہ کتب السیر  
والاشعار ان عمرہ الشریف  
عند شہادتہ ثمانیۃ عشر سنۃ  
فیکون اصغر من السجاد  
بخمیس اوست اوسبع سنین۔“  
”کتب سیر اور اشعار بھرے پڑے  
ہیں اس سے کہ آپ کی عمر شہادت کے موقع



پر اٹھارہ برس کی تھی۔ لہذا آپ حضرت سجادؑ

سے پانچ چھ یا سات برس چھوٹے تھے۔“

مگر ظاہر ہے کہ آپ کی عمر کا اٹھارہ برس ہونا اس شہرت کی بناء پر ہے کہ آپ امام زین العابدینؑ سے چھوٹے ہیں۔ جو لوگ آپ کو امام سے بڑا سمجھتے ہیں وہ آپ کی عمر بھی اتنی تسلیم نہیں کریں گے۔ چنانچہ ابن ادریس حلیؒ ’سرازم‘ میں لکھتے ہیں کہ آپ خلافت عثمان میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور آپ نے اپنے جد بزرگوار حضرت علی بن ابی طالبؑ سے احادیث کی روایت بھی کی ہے۔ اور اسی زمانہ میں شعراء آپ کی مدح میں اشعار بھی نظم کرنے لگے تھے۔ چنانچہ ابو عبیدہ اور خلف احمر جو دو بڑے ادیب تھے، انھوں نے حسب ذیل اشعار نقل کئے ہیں کہ وہ امام حسینؑ کے فرزند علی اکبرؑ جو کربلا میں شہید ہوئے ہیں ان کی مدح میں کہے گئے ہیں۔ یہ اشعار بعد میں نقل کئے جائیں گے۔ اب چونکہ عثمان کی خلافت ۳۵ھ میں ختم ہوئی ہے۔ اس لئے اگر آپ کی ولادت بالکل آخری دور میں اس خلافت کے قرار دی جائے۔ تب بھی امیر المومنینؑ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر کم از کم چھٹے برس میں ہوتی ہے اور پھر ۵۰ھ میں امام حسنؑ کی وفات کے وقت ۱۵ برس۔ پھر واقعہ کربلا میں جو ۶۱ھ کے شروع میں ہے ۲۶ اور کم از کم ۲۵ برس۔ اسی لئے دوسرا قول آپ کی عمر کے متعلق یہی ہے۔ جیسا کہ ابن شہر آشوب نے آپ کی جنگ اور شہادت کے حالات میں لکھا ہے:-

”تقدم علی بن الحسین

الاکبر وهو ابن ثمان عشرة سنة

ویقال ابن خمس وعشرين۔“

”علی اکبرؑ فرزند امام حسینؑ میدان جنگ

میں آئے اور آپ کی عمر اٹھارہ برس اور

بقولے پچیس برس تھی۔“

اگرچہ ابن شہر آشوب کی تحقیق کی بناء پر کہ آپ امام زین العابدینؑ سے بڑے ہیں جس کی صراحت اس کے پہلے ان کے کلام میں آپ دیکھ چکے۔ یہ دوسرا قول پہلے نقل ہونا چاہئے تھا اور پہلے قول کو قول غیر کی صورت سے نقل ہونا چاہئے۔ مگر یہ علامہ ابن شہر آشوب کے اس طرح کے مسامحات ہیں۔ جن کی مثال ’مناقب‘ میں کثرت کے ساتھ موجود ہے۔ اب اگر ابن ادریس کے اس بیان پر نظر ڈالئے کہ آپ نے اپنے جد بزرگوار امیر المومنینؑ سے احادیث کی روایت کی ہے اور اسی زمانہ میں شعراء آپ کی مدح میں اشعار نظم کرنے لگے تھے اور وہ اشعار جیسا کہ آپ دیکھیں گے اس طرح کے نہیں ہیں جو کسی بچہ پر منطبق ہو سکیں بلکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مدوح ایک کامل مرد ہے اور اس صورت میں اگر آپ کی عقل اس کو قبول نہ کر سکے کہ آپ کا سن امیر المومنینؑ کی شہادت کے وقت صرف پانچ سال تھا تو آپ یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ آپ کی عمر شاید اس سے زیادہ تھی اور اس صورت میں واقعہ کربلا میں آپ کی عمر تیس سال کے حدود میں ہوتی ہے جسے بھر پور جوانی کا زمانہ سمجھنا چاہئے مگر اس عمر کی تصریح مجھے پیش نظر کتابوں میں کہیں دستیاب نہیں ہو سکی۔

اوصاف

جناب علی اکبرؑ اپنی عمر کی ابتدائی منزلوں ہی سے

لم تر عين نظرت مثله  
من محتف يمشي ولا ناعل  
”کوئی بھی زمین میں ان کے مثل  
آنکھوں سے دکھائی نہیں دیا۔“

يغلي نهبيئي اللحم حتى اذا  
انضج لم يغل على الاكل  
”ان کے ضیافت خانہ میں مہمانوں کے لئے  
گوشت برابر پکتا رہتا ہے اور جب پک جاتا  
ہے تو مہمانوں سے عزیز نہیں کیا جاتا۔“

كان اذا شبت له نارہ  
يوقدها للشرف القائل  
”جب ان کے مہمان خانہ کی آگ  
روشن ہوتی ہے تو ان کی نمایاں عزت اور  
بزرگی وہ ہے جو اس آگ میں حرارت پیدا  
کرنے والی ہے۔“

کیما یراھا بأئس مرمل  
اوفر د حی لیس بالاہل  
”اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس آگ  
کو مصیبت زدہ اور غریب لوگ دیکھیں یا  
کسی ایسے شخص کی نظر اس پر پڑ جائے جو  
بیکس اور بے بس ہے۔“

لا یوثر الدنیا علی دینہ  
ولا یبیع الحق بالباطل  
”آپ کبھی دنیا کو دین پر ترجیح نہیں  
دیتے اور نہ حق کو باطل کے عوض میں

ان بلند اوصاف پر فائز تھے جن کے سامنے دوست اور  
دشمن سر تسلیم خم کرنے پر مجبور تھے اور آپ کی عظمت کا  
احساس اپنوں سے آگے بڑھ کر غیروں تک پہنچ چکا تھا اس  
حد تک کہ شام کے دربار میں اس کا تذکرہ ہوتا تھا۔ اس  
حقیقت کو ابوالفرج اصفہانی اموی نے درج کیا ہے کہ ایک  
روز معاویہ نے اپنے حاضرین دربار سے پوچھا کہ  
تمہارے نزدیک اس منصب خلافت کا سب سے زیادہ  
مستحق کون ہے؟

مجمع خوشامدیوں کا تھا۔ سب نے کہا ”آپ“۔ کہا  
نہیں! سب سے زیادہ اس کے مستحق حسین بن علی کے  
فرزند علی ہیں جن کے دادا رسول اللہ ہیں اور ان میں بنی  
ہاشم کی شجاعت، بنی امیہ کی سخاوت اور قبیلہ ثقیف کی  
خودداری۔ یہ تمام صفیں بہم موجود ہیں۔

اس گفتگو میں اگرچہ اس متعصبانہ ذہنیت کا مظاہرہ  
موجود ہے جو خالص ہاشمی خاندان کے افراد کے استحقاق کو  
سر تسلیم کرنے سے سدرہا ہوتی ہے اور اس لئے تلاش کی  
جاتی ہے ایسی فرد کا جس میں بنی امیہ کے ساتھ بھی کوئی تعلق  
موجود ہو لیکن اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب علی  
اکبرؑ میں کچھ ایسے اوصاف ضرور موجود تھے جو اس تنگ  
نظری کی فضا میں بھی ایک ممتاز حیثیت سے نمایاں تسلیم  
کئے جاتے ہوں۔

یہ بھی آپ علامہ ابن ادریس کی زبانی سن چکے کہ خود  
امیر المومنینؑ کے زمانہ میں جناب علی اکبرؑ کی شان میں شعراء  
اشعار نظم کرنے لگے تھے۔ وہ اشعار جو اس سلسلہ میں نقل  
کئے گئے ہیں حسب ذیل ہیں:-



فروخت کرتے ہیں۔“

اعنی ابن لیلیٰ ذا السد لے والندی  
اعنی ابن بنت الحسب الفاضل  
”میرا مقصود اس سے حضرت لیلیٰ کے فرزند  
ہیں جو صاحب عطا وجود ہیں، وہ جو بڑے  
حسب و نسب والی خاتون کے فرزند ہیں۔“

اس میں ایک طرف حضرت علی اکبرؑ کے جود و سخاوت  
کا تذکرہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ایک مخصوص  
ضیافت خانہ تھا جہاں مہمانوں کو کھانا دیا جاتا تھا۔ اور اس  
مہمان خانہ کے لئے بڑے بڑے رؤسائے عرب کے  
اصول کے مطابق رات کے وقت بلندی پر آگ روشن کی  
جاتی تھی تاکہ اس آگ کے شعلوں پر دور دور کے لوگوں کی  
نظر پڑے اور وہ سمجھیں کہ یہاں کوئی مہمان خانہ ہے۔  
دوسری طرف آپ کے احساس دینی اور بے لوث جذبہ  
مذہبی کا ذکر ہے کہ آپ کبھی کسی دنیاوی مقصد کو دین پر ترجیح  
نہیں دیتے اور نہ حق کو باطل کے مقابلہ میں کبھی ہاتھ سے  
دیتے ہیں۔ آخری شعر میں شاعر نے آپ کے ننھیالی اعزاز  
کا تذکرہ کیا ہے اور اس کو ممتاز الفاظ میں پیش کیا ہے۔

آپ کی سخاوت کے متعلق اس کے پہلے حاکم شام  
معاویہ بن ابی سفیان کی گواہی بھی پیش ہو چکی ہے۔ جہاں  
اس سخاوت کو بنی امیہ کے خاندان کا اثر قرار دیا گیا ہے۔  
مجھے امیر شام کی اس گفتگو میں جہاں حضرت علی اکبرؑ  
کے متعلق استحقاق خلافت کا سوال اٹھایا گیا ہے۔ اور ان  
اشعار کے لب و لہجہ میں ایک خاص اموی سیاست کا فرما  
نظر آرہی ہے جو ذرا غائر نگاہ کرنے پر بالکل بے نقاب

ہو جاتی ہے۔

یہ آپ سن چکے ہیں کہ حضرت علی اکبرؑ کی والدہ ماجدہ  
ننھیالی حیثیت سے خاندان بنی امیہ سے تعلق رکھتی تھیں اور  
امیر معاویہ کی حقیقی بھانجی تھیں۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم میں  
نزاع اور قدیمی آویزش تھی۔ لیکن قدرت نے ہاشمی  
خاندان کے افراد کو جو خصوصیات عطا کئے تھے وہ ان کے  
مخالفین میں بالکل نایاب تھے۔ اس لئے جاہل عوام پر زور  
جواہر کی بارش سے قابو حاصل کر کے اپنی سلطنت کو سنبھال  
لیا جائے، یہ اور بات ہے مگر عام طور پر عالم اسلامی  
میں اہلبیتؑ رسولؐ کی عظمت کا اعتراف کیا جاتا تھا۔ اور  
خواص ان بزرگواروں کے کمالات کے سامنے سر تسلیم خم  
کرتے تھے۔

اس کے علاوہ ایک جماعت ایسی موجود تھی جو ان  
حضرات کو حکومت و خلافت کا مستحق قرار دیتی تھی اور کم از کم  
بنی ہاشم میں اس وقت ایسا ایک تھا کہ اس بارے میں کوئی  
اختلافی صدا بلند نہ ہوتی تھی۔ معاویہ کی جانب سے برابر  
اس کے کوشش ہوتی رہی کہ خود بنی ہاشم میں پھوٹ ڈالی  
جائے۔ اور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی جائے۔ اسی  
مقصد سے عقیل بن ابیطالب کو حضرت علیؑ سے الگ کر کے  
شام میں رکھا گیا۔ اور امیر شام کو بڑی مہنگی قیمت پر یہ سودا  
کرنا پڑا۔ مگر عقیل شام میں رہ کر بھی علیؑ بن ابیطالب کی  
فضیلت اور فوقیت کا اظہار کرتے رہے۔ جناب امیر علیہ  
السلام کے بعد بنی ہاشم میں متفقہ طور پر حضرت امام حسنؑ کی  
امامت و قیادت تسلیم کی گئی۔ اس دور میں تو اچھا خاصا  
پروپیگنڈا اسی کے متعلق کیا گیا کہ چھوٹے بھائی امام حسینؑ

اور امام حسنؑ میں اختلاف کا اظہار کیا جائے۔ اور صلح کے معاملہ میں حسینؑ کی ناراضگی کی خود ساختہ حکایتوں کو طشت از بام کر کے بھائیوں میں رنجش ڈالی جائے۔ وہی پروپیگنڈا جس کے زیر اثر آج تک بعض اسلامی تاریخوں میں اس طرح کے روایات درج ہیں جیسے حضرت امام حسینؑ کی ناراضگی اس صلح سے ثابت ہوتی ہے۔ مگر ان دونوں بھائیوں کے گہرے اتحاد پر ان کوششوں کا کوئی اثر نہ پڑا اور امام حسینؑ کے طرز عمل نے جو امام حسنؑ کی زندگی میں اور آپ کے بعد دس برس تک رہا اس سیاست کو بالکل شکست دے دی۔ اب امام حسینؑ کی شادی لیلیٰ کے ساتھ اور ان کے یہاں علی اکبرؑ کی ولادت، اس نے اموی حکومت کے سیاسی حوصلوں میں بڑی وسعت پیدا کر دی۔ انہیں یہ خواب دکھائی دینے لگا کہ اب بنی ہاشم کے گھر کے اندر ہمیں پھوٹ ڈالنے کا اچھا موقع ملے گا۔ اس لئے کہ خالص ہاشمی خون کے مقابلہ میں ایک ایسی فرد بھی اسی گھر میں پیدا ہوگئی جس میں کسی نہ کسی طرح امویت سے تعلق پایا جاتا ہے۔ اگرچہ رسول اللہ کے ساتھ بھی ایسے ازدواجی تعلقات پیدا کر دئے گئے تھے جس کی بناء پر پہلے ہی بنی ہاشم میں دوسرے عناصر کی شرکت کا انتظام ہو جائے مگر یہ قدرت کا ایک معاملہ تھا کہ رسول اللہ کے یہاں کسی ایسی عورت سے اولاد ہی نہیں ہوئی۔

اب فرزند رسول امام حسینؑ کے یہاں امیر معاویہ کی بھانجی لیلیٰ کے بطن سے فرزند کی ولادت ہوئی ہے تو اب وہ تمام منصوبے بروئے کار آنے کا وقت ہے جو ایک ایسے موقع کے منتظر تھے۔ اس کے لئے جناب علی اکبرؑ کی

ولادت کے بعد آپ کی کمسنی ہی سے بڑے زور و شور کے ساتھ آپ کی ننھیالی خصوصیت کو اچھا لانا شروع کر دیا گیا اور اس کو اس فخر کے ساتھ ذکر کیا جانے لگا جو تمام بنی ہاشم سے علی اکبرؑ کو ایک علیحدہ امتیاز عطا کر دے۔

مذکورہ اشعار کے کہنے والے کا کوئی نام مستند تاریخ میں نہیں ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ کہیں میں نے ان اشعار کو خود حضرت امیر المومنینؑ کی طرف منسوب دیکھا ہے۔ مگر اشعار کا لب و لہجہ اور انداز کلام بالکل اس خیال کو غلط قرار دیتا ہے۔ مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار بھی کسی اموی شاعر کے نظم کردہ ہیں، ورنہ جناب علی اکبرؑ کے وصف میں ان کے فرزند رسولؑ اور اولاد علیؑ و بتولؑ ہونے کا ضرور تذکرہ ہوتا اور ان کے والد بزرگوار حضرت امام حسینؑ کا ذکر ہوتا۔ مگر ان اشعار میں اس خصوصیت کو بالکل نظر انداز کر کے ان کے ننھیال ہی کو نمایاں کیا گیا ہے اور ان کی والدہ کے حسب و نسب ہی پر زور دیا گیا ہے۔

جناب علی اکبرؑ کی سخاوت جس درجہ پر بھی ہو مگر کیا وہ خود ہاشمی خاندان کا اثر نہیں ہو سکتی اور کیا علیؑ وفا طمہ گی طرف انتساب اس سخاوت کے جوہر کا باعث نہیں ہو سکتا۔ مگر امیر شام نے سخاوت کو ان کے بنی امیہ کے خاندان کا اثر بتلایا اور ان کے لئے خلافت کا استحقاق قرار دیا۔ صرف اس لئے کہ یہ بات بڑھے اور لوگوں کی زبانوں پر آنے لگے کہ خاندان بنی ہاشم میں یہ فرد ان خصوصیات کی حامل ہے جن کی بناء پر وہ دوسرے افراد سے ممتاز درجہ رکھتی ہے اور خصوصیت سے خلافت و امامت کی مستحق ہے۔

یقیناً اگر جناب علی اکبرؑ کی جگہ کوئی کمزور نفس کا انسان

سے آگے بڑھے ہیں۔ اور تھوڑا راستہ طے ہوا، اس وقت امام پر کچھ غنودگی سی طاری ہو گئی۔ آنکھ کھلی تو آپ فرما رہے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون والحمد للہ رب العالمین۔ دو تین مرتبہ آپ نے یہی غمگین الفاظ ارشاد فرمائے۔ طبری نے لکھا ہے کہ اس وقت آپ کے فرزند علی بن الحسین گھوڑا دوڑاتے ہوئے آپ کے پاس آئے اور یہی الفاظ اپنی زبان پر جاری کر کے دریافت کیا کہ اس وقت ان کلمات کے زبان پر جاری کرنے کا کیا سبب تھا؟ فرمایا ”ابھی میرے آنکھ لگ گئی تھی۔ میں نے ایک سوار دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ تو راستہ طے کر رہے ہیں اور موت ان کی طرف بڑھ آگے رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارے (لئے) موت کی اطلاع ہے جو دی گئی ہے۔“ شاہزادہ نے عرض کیا بابا! خدا آپ کو رنج کی صورت نہ دکھلائے۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟“ امام نے فرمایا: بلی والذی الیہ مرجع العباد ”کیوں نہیں! یقیناً! قسم اس خدا کی جس کی جانب تمام خلق کی بازگشت ہے۔“ شاہزادہ نے کہا:-

یا بابت اذا لا نبالی نموت محققین ”جب ہم حق پر ہیں تو پھر ہمیں موت کی کیا پرواہ ہے۔“ امام نے دعائے خیر دی۔ فرمایا: جزاک اللہ من ولد خیر ماجزئى ولد اعن والدہ ”بیٹا تمہیں خدا جزائے خیر دے۔ بہترین جزا جو کسی بیٹے کو اس کے باپ کی طرف سے دی جاسکتی ہے۔“<sup>(۱)</sup>

اس واقعہ میں آپ کے سامنے عزت نفس، اطمینان قلب اور ثبات ضمیر کی عجیب مثال پیش ہوتی ہے۔ شاہزادہ کا

ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ اس سیاست کا شکار ہو جاتا اور اپنے لئے اپنے خاندان میں ایک علیحدہ شان اور حیثیت کا قائل ہو جاتا اور اس طرح گنجائش تھی کہ اس گھر کے افراد میں اختلاف کی خلیج قائم ہو جاتی اور ہم آہنگی و یکجہتی کو صدمہ پہنچ جاتا۔ مگر علی اکبر کا بلند اور پاکیزہ نفس اس فریب میں آنے والا نہ تھا۔ انھوں نے کبھی ان خیالات خام پر کوئی توجہ نہیں کی اور اموی سیاست کی شکست پر دائمی طور پر مہر کردی اپنے اس خون سے جو کربلا میں فرزند فاطمہ کی حمایت میں زمین پر بہہ گیا اور یزید بن معاویہ کے مقابلہ میں جہاد کے میدان کو رنگین بنا گیا۔ اور ان کی والدہ گرامی لیلیٰ نے اپنی وفاداری اور محبت آل رسولؐ سے ثبات قدم میں وہ یگانگت اور اتحاد دکھلایا کہ آج ان کے تذکرہ میں یہ امر کہ انھیں خاندان بنی امیہ سے کوئی دور کا بھی تعلق تھا ایک ناگوار ضمیمہ معلوم ہوتا ہے جو فراموش کر دینے کے قابل ہے۔

جناب علی اکبرؑ صورت و سیرت دونوں میں رسول اللہؐ کا نمونہ تھے اور بہت نمایاں شباهت رسالتؐ کے ساتھ رکھتے تھے اسی لئے ”شبیبہ پیغمبر“ کی صفت کے ساتھ یاد کئے جاتے ہیں۔ اور اس وجہ سے حضرت سید الشہداءؑ کو جتنی محبت اپنے اس فرزند کے ساتھ تھی اتنی دوسری اولاد کے ساتھ نہ تھی۔

### راستے کا ایک اہم واقعہ

امام حسینؑ کی مدینہ سے ہجرت اور مکہ میں قیام اور پھر کوفہ کے ارادہ سے روانگی ان تمام واقعات کے ذیل میں سب سے پہلے جناب علی اکبرؑ کا نام مستند تاریخ کے ورق پر اس وقت دکھائی دیتا ہے جب امام قصر بنی مقاتل

(۱) تاریخ طبری، ج ۶ ص ۲۳۲-۲۳۱

اپنے والد بزرگوار کی تنہائی کو دیکھا تو آگے بڑھے اور وہ اپنے خاص گھوڑے پر سوار تھے جس کا نام تھا ذوالجناح۔“ اس روایت میں اس کا کوئی پتہ نہیں ہے کہ یہ گھوڑا خاص اسی دن جناب علی اکبرؑ کو عطا کیا گیا تھا۔

عام طور پر ذوالجناح جناب سید الشہداءؑ کے ”اسب باوفا“ کا نام مشہور ہے اور جناب علی اکبرؑ کے گھوڑے کا نام عقاب بتلایا جاتا ہے، مگر اس کا تاریخ میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

### اذن جہاد

روز عاشور جب تک اصحاب زندہ رہے بنی ہاشم میں سے کسی ایک شخص کو بھی کسی طرح کا کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔ لیکن جب ان وفاداروں میں سے کوئی باقی نہ تھا تو اب امام کے اعزاء ہی تھے جو میدان جنگ میں جاسکتے تھے۔ اس موقع کی صورت حال کا صحیح اندازہ ’اسوہ حسینی‘ (ص ۲۱۱) کے حسب ذیل تبصرہ سے ہوگا۔

میں نے کہا ہے کہ:

”تاریخ نے سب واقعات کو بیان ہی کہاں کیا ہے۔ اس لئے کہ دوست باقی بچے نہیں تھے۔ دشمنوں کو غرض کیا تھی کہ تمام واقعات بیان کرتے۔ یقیناً اگر موقع ہوتا تو حضرت اعزاء کو اصحاب سے پہلے میدان جنگ جانے کی اجازت دیتے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب نے کسی طرح اس کو منظور نہیں کیا کہ ان کی زندگی میں کوئی شخص اولاد ہاشم سے میدان جنگ میں جائے۔ مگر جب اصحاب شہید ہو چکے اور دل کے ٹکڑوں کی نوبت آئی تو اب بھائی کی اولاد تھی یعنی امام حسنؑ کے صاحبزادے، چچازاد بھائی کی

حدود ادب کو اس بے چینی کے موقع پر اس طرح پیش نظر رکھنا امام کا صفائی کے ساتھ حقیقت واقعہ سے اطلاع دے کر گویا فرزند کے دل کی گہرائیوں کا امتحان لینا، بیٹے کا انتہائی استقلال کے ساتھ اپنے مافی الضمیر اور حق کی راہ میں فداکاری کے جذبہ کو ظاہر کرنا اور امام کا خوش ہو کر دعائے خیر دینا ایک ایسا موقع ہے جس کو دیکھ کر رگوں میں خون دوڑتا ہے اور فداکاری کی روح میں زندگی پیدا ہوتی ہے۔

روایت میں کوئی لفظ ایسی نہیں ہے جس کی بنا پر یہ ماننا ضروری ہو کہ وہ جناب علی اکبرؑ ہی سے متعلق ہے بلکہ یہ احتمال پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ امام زین العابدینؑ سے تعلق رکھتی ہے لیکن عموماً اس روایت کو جناب علی اکبرؑ ہی سے وابستہ کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں علی بن الحسینؑ کی لفظ جب بغیر کسی دوسرے قرینہ کے استعمال ہو تو اس سے جناب علی اکبرؑ ہی مراد ہوا کرتے تھے اور یہ ایک مستقل دلیل ہے اس کی کہ وہ سید الشہداءؑ کی اولاد میں سب سے بڑے تھے اور نمایاں شہرت کے مالک تھے۔

### امام کا عطیہ

طبری نے لکھا ہے کہ امام حسینؑ کا ایک خاص گھوڑا تھا جس کا نام ”لاحق“ تھا۔ امامؑ نے کربلا میں یہ اپنے فرزند علی بن الحسینؑ کی سواری کو عطا فرمایا تھا۔

مصنف ’البصار العین‘ نے ابوالفرج (مولف ’اغانی‘) وغیرہ کے حوالہ سے جناب علی اکبرؑ کے میدان جہاد میں جانے کی جو روایت درج کی ہے، اس میں لکھا ہے:-

لما نظر الی وحدة ابیہ تقدّم الیہ و هو علی فرس له یدعی ذوالجناح۔ ”جب انہوں نے

برسولك و كنا اذا اشتقنا الى

نبينا نظرنا الى وجهه۔“

”خداوند! گواہ رہنا ان لوگوں کے ظلم پر کہ اب جارہا ہے ان کی طرف وہ نوجوان جو صورت و سیرت اور گفتار میں تیرے رسول کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہے۔ جب ہم تیرے پیغمبرؐ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اس کا چہرہ دیکھ لیتے تھے۔“

میں سمجھتا ہوں کہ یہ مختصر سے الفاظ مناجات کے اس بے پایاں رنج و اندوہ کی پوری تشریح کر دیتے ہیں جو اس وقت امام پر غالب تھا مگر اس کے ساتھ ان میں عزت نفس اور بلندی ضمیر اور حسینؑ کے بے مثال نظریہ کا وہ بلند نمونہ ہے جو حسینؑ ہی سے مخصوص ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ حد سے بڑھی ہوئی مصیبت انسان کو بے قابو بنا دیتی ہے اور وہ بے ساختہ اپنے دلی جذبات کا اظہار کرنے لگتا ہے۔

علی اکبرؑ کا وجود ہر طرح امام کے لئے جاذبیت رکھتا تھا اور ایک باپ کی ایک ایسے فرزند کے ساتھ جتنی بھی آرزوئیں وابستہ ہو سکتی ہیں وہ سب ہی امام حسینؑ کی علی اکبرؑ کے ساتھ وابستہ تھیں۔ ان میں نمایاں پہلو ہیں علی اکبرؑ کی جوانی، خوبصورتی، خوش سیرتی، اور عام مذاق کے مطابق ”نامرادی“ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جب یہ جوان فرزند امام سے رخصت ہو رہا ہے تو امام کے سامنے یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ اس طرح اس غم پر اظہار رنج نہیں کرتے جس طرح ایک کمزور دل کا شخص یا اس دنیا کے تعلقات کا گرویدہ ایسے موقع پر قلبی کیفیتوں کا اظہار کر سکتا ہے۔ وہ عورتوں کے سے بین کرنا اپنے اقتدار نفس کے خلاف سمجھتے

اولاد یعنی مسلم کے فرزند، چچا کے بیٹے یعنی عقیل کی اولاد، پھر ایک چچا زاد بھائی کے بیٹے یعنی عبداللہ بن جعفر کے صاحبزادے جو بھانجے کہے جاتے ہیں۔ اپنے باپ کی اولاد یعنی بھائی اور خود اپنی اولاد۔ امام حسینؑ نے چاہا کہ کوئی اور میدان جنگ میں نہ جانے پائے اور یہ کہنے کو نہ ہو کہ بھائی کی اولاد تھی ناس لئے اسے پہلے بھیج دیا۔ یا چچا کی اولاد کو پہلے بھیج دیا۔ اس لئے تاریخ کی مسلمہ حقیقت یہ ہے۔ حدیث اور تاریخ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اعزہ میں سب سے پہلے جناب علی اکبرؑ کو میدان جنگ میں جانے کی اجازت ملی ہے۔ امام حسینؑ کو یہ دکھانا تھا کہ حمایت حق کے موقع پر سب سے پہلے اپنے عزیز ترین شخص ہی کو فدا کرنا چاہئے۔ رسالتؐ کا طرز عمل یہی تھا کہ جب جنگ کا موقع ہوتا تھا تو آپ اپنے خاص عزیزوں کو آگے رکھتے تھے۔ چنانچہ عبیدہ جنگ بدر میں شہید ہوئے اور حمزہ جنگ احد میں۔ اسی طرح امیر المومنینؑ نے جنگ جمل میں علم لشکر اپنے فرزند محمد ابن حنفیہ کو دیا اور فوج دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا اور اسی کا مکمل نمونہ امام حسینؑ نے کر بلا میں پیش کیا کہ سب سے پہلے اپنے فرزند کو اجازت دیدی۔“

جہاں تک تاریخ سے پتہ چلتا ہے امام نے علی اکبرؑ کو میدان جہاد میں جانے سے ذرا بھی روکا نہیں مگر دل کی نیچینی نے تلاطم ضرور پیدا کر دیا۔

آپ نے بارگاہ الہی میں عرض کیا:

”اللھم اشھد علی ہؤلاء القوم

فقد برز الیہم غلام اشبه

الناس خلقاً و خلقاً و منطقاً



فرزند سے اسی طرح قطع کرے جیسے میری نسل کو جو اس  
فرزند سے ہوتی قطع کیا ہے۔ کیونکہ علی اکبرؑ کے کوئی اولاد  
نہیں تھی۔“  
مجھے گذشتہ فقرہ کے وہ معنی ہی نہیں معلوم ہوتے جو  
قرار دئے گئے ہیں۔

ہندوستانی عربی داں صرف اگر وہ ترجمہ کرتے تو  
مجھے تعجب نہ ہوتا کیوں کہ یہ لوگ عربی الفاظ کو اپنے مذاق  
اور محاورہ کے ماتحت سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس لئے  
اکثر الفاظ کے ترجمہ میں غلطی کرتے ہیں، مگر فاضل سماوی  
سے جو موجودہ زمانہ کے ایک باخبر عربی ادیب ہیں بہت  
تعجب ہے۔ ”قطع رحم“ کے معنی عربی میں حقوق قرابتداری  
کا لحاظ نہ کرنے کے ہیں اور اس لئے قطع رحمی کے  
معنی یہ ہوتے ہیں کہ ”تو نے میری قرابتداری کا کوئی لحاظ  
نہ کیا۔“

اور اس کی توضیح بعد کے فقرہ سے ہوتی ہے کہ ولہم  
تحفظنی فی رسول اللہ ”تو نے رسول اللہ کی خاطر  
سے میرے حقوق کی کچھ بھی نگہداشت نہیں کی۔“

اس صورت میں قطع اللہ رحمک کے یہ معنی  
قرار پائیں گے کہ خدا تجھ کو بھی اسی طرح قطع رحم میں مبتلا  
کرے یعنی تیرے ساتھ بھی کوئی مراعات کسی رشتہ کے  
لحاظ سے کبھی نہ کی جائے۔

### رجز خوانی اور جنگ

گذشتہ دعا اور اس مخاطبہ میں جناب علی اکبرؑ اذن  
جہاد کے معنی سمجھ چکے تھے۔ وہ میدان جنگ میں آئے اور  
یہ رجز پڑھنے لگے:-

ہیں۔ بیشک ان کے پیش نظر ہے تو ایک ایسا پہلو جس سے  
حقیقتاً حسینؑ حسینؑ معلوم ہوتے ہیں۔  
اس وقت اکبر کی جدائی سے حسینؑ کو اپنے نانا رسولؐ  
اللہ کی تصویر چھٹتے دکھلائی دے رہی ہے اور اس پر وہ خدا کو  
گواہ کرتے ہیں اور بس۔

”جا رہا ہے“ کے الفاظ میں اذن جہاد خود بخود مضمر  
ہے۔ اور اس لئے اس دعا ہی سے علی اکبرؑ سمجھ لئے کہ مجھے  
میدان جنگ میں جانے کی اجازت حاصل ہے۔  
بعض روایات میں ہے کہ امام نے عمر سعد کی طرف  
مخاطب ہو کر فرمایا:-

”یا ابن سعد قطع اللہ  
رحمک کما قطع رحمی ولم  
تحفظنی فی رسول اللہ۔“  
اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ:

”اے ابن سعد خدا تیری نسل کو قطع  
کرے اسی طرح جیسے تو نے میری نسل قطع  
کی ہے۔“

اس میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام کی نسل کا قیام  
حضرت امام زین العابدینؑ سے برقرار رہا۔ پھر اس ”قطع  
نسل“ کے کیا معنی ہیں؟  
اسی لئے مصنف ’ابصار العین‘ کو تاویل کی ضرورت  
محسوس ہوئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

یعنی قطع اللہ نسلک من ولدک کما  
قطع نسلی من ولدی فانہ لا عقب لہ۔  
”مقصود حضرت کا یہ ہے کہ خدا تیرے نسل کو تیرے



انا علی بن الحسین بن علی  
نحن و رب البيت اولی بالنبی  
تالله لا یحکم فینا ابن الدعی  
یہ طبری کی روایت کے الفاظ ہیں:

”(یعنی) میں ہوں علی۔ حسین کا پیتا اور  
علی کا پوتا۔ ہم بخدا سب سے زیادہ رسول  
کے حقدار ہیں۔ خدا کی قسم ہم میں ہرگز  
حکومت نہیں کر سکتی زنا زادہ کی اولاد۔“

”مناقب ابن شہر آشوب میں جو رجز کے اشعار نقل  
کئے ہیں وہ یہ ہیں:-

انا علی بن الحسین بن علی  
من عصبۃ جد ابیہم النبی  
نحن و بیت اللہ اولی بالوصی  
واللہ لا یحکم فینا ابن الدعی  
اضربکم بالسیف احمی عن ابی  
اطعنکم بالرمح حتی ینثنی  
طعن غلام ہاشمی علوی

”میں ہوں علی، حسین بن علی کا فرزند۔ میرے باپ  
کے نانا رسول اللہ ہیں۔ ہم خدا کی قسم وصی رسول کے سب  
سے زیادہ قرابتدار ہیں۔ بخدا ہم میں زنا زادہ کی اولاد  
حکومت نہیں کر سکتی۔ میں تم کو تلواریں لگاؤں گا اپنے باپ  
کی حمایت میں اور نیزہ کے وار کروں گا یہاں تک کہ نیزہ  
ٹیڑھا ہو جائے۔ ایسے حملے جو ایک ہاشمی اور علوی جوان کو  
کرنا چاہئے۔

زیارت شہداء میں رجز کے اشعار یہ ہیں:

انا علی بن الحسین بن علی  
نحن و بیت اللہ اولی بالنبی  
اطعنکم بالرمح حتی ینثنی  
اضربکم بالسیف احمی عن ابی  
ضرب غلام ہاشمی عربی  
واللہ لا یحکم فینا ابن الدعی  
ابصار العین میں ہے:

انا علی بنا لحسین بن علی  
نحن و بیت اللہ اولی بالنبی  
واللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

یہ طبری کی روایت سے متحد ہے صرف اتنا فرق ہے  
کہ وہاں دوسرے مصرع میں (نحن و رب البيت)  
ہے یہاں (نحن و بیت اللہ) وہاں تیسرے مصرع میں  
(تالله) ہے۔ یہاں (واللہ) ہے۔

مجموعی حیثیت سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ جزئی  
اختلاف کے ساتھ جو مصرعے رجز کے متفق علیہ ہیں وہ  
اتنے ہی ہیں جو طبری نے درج کئے ہیں۔

یہ رجز شہدائے کربلا میں سب سے الگ ایک خاص  
انداز کا حامل ہے۔ دوسرے شہداء کے رجز میں زیادہ تر  
شجاعان عرب کے انداز پر اپنی شجاعت کا اظہار ہے یا امام  
کی بارگاہ میں اپنی وفاداری کا اثبات ہے۔ لیکن جناب علی  
اکبرؑ کا رجز ایک تبلیغی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے مختصر الفاظ  
میں پورے طور سے اسباب و علل جنگ پر تبصرہ کر دیا ہے۔  
اور دکھلایا ہے کہ اس وقت سوال کس چیز کا درپیش ہے۔

اس میں اپنی ولایت کا ثبوت پیش کیا گیا ہے (نحن

وبیت اللہ اولی بالنبی۔

جس میں ایک طرف قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ (اولو الارحام بعضهم اولی ببعض) دوسری طرف اپنے صفات کی بلندی کے لحاظ سے رسول اللہ کے ساتھ اولویت کا اظہار ہے اس آیت کی بناء پر کہ (ان اولی الناس بأبراهیم للذین اتبعوه) اس کے بعد حکومت وقت کے تسلیم کرنے سے اپنے انکار کو ظاہر کیا گیا ہے اور اپنے مخالف کی پستی کو دکھلایا گیا ہے۔“

اگر اس اموی سیاست کے پہلو میں جس کی پردہ کشائی میں نے پہلے کی ہے اور جس کی بناء پر میں نے دکھلایا ہے کہ دربار شام کی طرف سے جناب علی اکبرؑ کی ننھیالی خصوصیت پر زیادہ زور دیا جاتا تھا، اس کے پہلو میں اس رجز کے ابتدائی دونوں مصرعوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں پورے طور پر اس سیاست کا جواب ہے۔ وہ لوگ علی اکبرؑ کی مدح میں تمام بنی ہاشم اور اولاد رسولؐ سے الگ خصوصیات کا اظہار کرتے تھے۔ گویا اس فرع کو اس اصل سے الگ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جناب علی اکبرؑ اپنے اظہار نام و نسب میں اپنا طرہ امتیاز صرف اپنے ددھیالی رشتہ کو قرار دینا چاہتے ہیں اور اس کی چھاؤں بھی نہیں آنے دیتے کہ آپ میں کوئی دوسرا عنصر شریک ہے۔

طبری نے لکھا ہے کہ علی اکبرؑ نے کئی حملے کئے اور برابر آپ یہی اشعار پڑھ رہے تھے۔ ’بحار‘ میں ہے: فلم یزل یقاتل حتی ضج الناس من کثرة من قتل منهم۔ ”علی اکبرؑ نے اتنی جنگ کی کہ دشمن کثرت مقتولین کی وجہ سے چیخ اٹھے۔“

پیاس کی شدت اور طلب آب

اس جنگ میں جوان مجاہد کا جسم زخمی ہو گیا تھا۔ آفتاب کی حدت کے ساتھ پیاس کا التهاب بہت بڑھ گیا۔ ابن شہر آشوب وغیرہ کی روایت کے مطابق میدان جنگ سے واپس آئے۔ اور اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو کر پیاس کی شدت کا اظہار کیا۔

مشہور الفاظ اس وقت کے یہ ہیں۔ یا ابت العطش قد قتلنی و ثقل الحديد اجهدنی ”اے بابا مجھے پیاس نے مار ڈالا ہے اور لوہے کے بوجھ نے میری جان پر بنادی ہے۔“

نہیں کہا جاسکتا کہ اس سوال کا مقصد کیا تھا۔ ممکن ہے کہ پانی کی بالکل نایابی کا شاہزادہ کو علم نہ ہو، اور ممکن ہے مطلب یہ ہو کہ حضرت بنی ہاشم کے موجودہ نوجوانوں کو علی اکبرؑ کے ساتھ بھیج کر نہر سے پانی منگانے کا انتظام کریں۔ ذاکرین کی طرف سے اس کی یہ توجیہ بھی ہوتی ہے کہ جناب علی اکبرؑ عام لوگوں کو امام کی مجبوری اور پانی کی نایابی کا پورا یقین دلانا چاہتے تھے کہ اگر کچھ بھی پانی موجود ہوتا تو امام مجھ سے عزیز نہ کرتے۔ یہ تمام توجیہیں اس صورت میں ہیں کہ روایت کو بالکل صحیح مانا جائے۔

ظاہر ہے کہ امام کو اپنے فرزند کی اس تمنا کے نہ پورا ہو سکے کی جتنی بھی تکلیف نہ ہوتی کم تھی۔

آپ نے کہا ”پانی کہاں ہے جاؤ۔ تمہارے دادا رسول اللہ آب کوثر سے تمہیں سیراب کریں گے۔“ علی اکبرؑ دوبارہ میدان میں آئے۔

شہادت

جناب علی اکبرؑ نے اب کی مرتبہ پھر سخت جنگ کی۔

دنیا کی زندگی پر خاک ہے۔“

یقیناً خیام حسینی میں اس حادثہ سے تہلکہ پڑ گیا ہوگا۔  
کہا جاتا ہے کہ جناب زینبؑ نے علی اکبرؑ کی پرورش کی تھی۔  
اگرچہ اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔

مشہور روایت یہ ہے کہ اس وقت مضطرب ہو کر  
جناب زینبؑ خیمہ سے باہر آ گئی تھیں اور آ کر جناب علی اکبرؑ  
کی لاش سے لپٹ گئیں۔ امامؑ آئے اور ہاتھ پکڑ کر سمجھاتے  
ہوئے خیمہ میں لے گئے۔ اس روایت میں شک و شبہ کا  
میدان بہت وسیع ہے۔

علامہ کنجوری نے ”مأئین فی مقتل الحسین“  
میں اس روایت پر کافی بحث کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے  
کہ ”یہ ایک اضطراری فعل تھا جس پر کوئی اعتراض نہیں ہو  
سکتا۔ رہ گیا یہ امر کہ جناب زینبؑ کہاں تک آئی تھیں اس  
کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ اس خیمہ تک تشریف لائی تھیں جس  
کے سامنے اصحاب جنگ کرتے تھے۔ اور وہ سراپردہ حسینی  
کے آگے ہی نصب تھا اور زیادہ دور نہیں تھا۔ جب حضرت  
علی اکبرؑ کی لاش کو اٹھا کر اس خیمہ میں لائے تو جناب زینبؑ  
اس خیمہ تک آ گئیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب علی  
اکبرؑ کی شہادت تمام اعزاء کے آخر میں تسلیم کی جائے۔ اور  
اگر آپ سب سے پہلے شہید ہوں اولاد ابوطالبؑ میں سے  
تو اس صورت میں روایت میں یہ ہے کہ امامؑ نے  
نوجوانوں سے فرمایا کہ ”اٹھاؤ اپنے بھائی کی لاش“ سب  
نوجوانوں نے مل کر جناب علی اکبرؑ کی لاش کو اٹھایا اور اس  
خیمہ کے آگے لٹا دیا جو جنگ کے موقع پر بطور مرکز سپاہ قرار  
دیا گیا تھا۔ جناب زینبؑ اسی خیمہ تک آئی تھیں۔ رہ گیا یہ

مرہ بن منقذ بن نعمان عبدی، عمر سعد کی فوج کا ایک مخصوص  
سپاہی تھا، اس نے جو جناب علی اکبرؑ کو جنگ کرتے دیکھا تو  
کہا کہ ”اگر اب کی مرتبہ اس جوان نے پھر حملہ کیا اور میری  
طرف سے گذر تو میں ضرور اس کے باپ کو اس کے غم میں  
بتلا کروں گا۔ ایسا ہی ہوا۔ علی اکبرؑ تلوار ہاتھ میں لئے  
ہوئے دشمنوں پر حملہ آور تھے، بس مرہ پاس آ گیا اور نیزہ  
مار دیا۔ طبری میں صرف اتنا ہی ہے۔

ابن شہر آشوب نے لکھا ہے کہ اس نے دھوکا دے کر  
پشت پر نیزہ مارا۔ ’البصار العین‘ میں یہ روایت درج ہے کہ  
مرہ بن منقذ نے آپ کے حلقوم پر تیر لگایا۔ علی اکبرؑ  
گھوڑے سے زمین پر گرے۔ اور دشمنوں نے چاروں  
طرف سے گھیر لیا۔ شاہزادہ کے جسم کے تلواروں سے  
ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔

امام کی حالت اور اہل حرم کا اضطراب  
علی اکبرؑ کی شہادت کا امام پر بڑا اثر ہوا۔ آپ نے  
فرمایا:

”قتل الله قوماً قتلوك يا  
بني ما اجرأهم على الرحمن و  
على رسوله وعلى انتهالك  
حرمة الرسول على الدنيا  
بعدك العفا۔“

”خدا فنا کر دے اس جماعت کو جس  
نے تجھے قتل کیا۔ اے میرے فرزند! کتنی  
جراتیں بڑھ گئی ہیں ان لوگوں کی۔ خدا اور  
اس کے رسولؐ کے مقابلہ میں۔ تیرے بعد

امر کہ پھر آپ کا نام لوگوں کو کیسے معلوم ہوا تو ممکن ہے کہ کسی نے امام کی آواز سن لی ہے یہ کہتے ہوئے کہ ”بہن زینب تم اپنے خیمہ سے کیوں نکل آئیں۔“ بے شک جناب زینب کا میدان جنگ میں آجانا رکیک امر ہے اور میرے نزدیک ثابت نہیں ہے۔“

یہ علامہ کثوری کا ذاتی خیال ہے۔ اصل روایت کے مضمون پر منطبق نہیں ہوتا۔ روایت تاریخ طبری میں مذکور ہے اور اسی لئے میں نے بھی ”محاربہ کربلا“ میں درج کر دی ہے۔ مگر راوی اس روایت کا حمید بن مسلم ہے۔ اس کا روز عاشور کربلا میں وجود ہی نہیں تھا۔ اس کا پتہ ہم کو ایک ایسے مورخ کی تحریر سے چلتا ہے جو طبری سے مقدم ہے۔ ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری متوفی ۲۸۱ھ نے کتاب (الاخبار الطوال) میں جو ۱۳۳ھ میں مصر میں شائع ہوئی ہے لکھا ہے:

”روی عن حمید بن مسلم  
قال کان عمر بن سعد لی  
صديقاً فاتیتہ عند منصرفہ  
من قتال الحسین فسألتہ عن  
حالہ فقال لا تسئل عن حالہ  
فانہ مارجع غائب الی منزلہ  
بشرّ مما رجعت بہ قطعت  
القراۃ القریبۃ وارتکبت  
الامر العظیم۔“

(ص ۲۷۵)

”حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ عمر بن سعد

سے اور مجھ سے دوستی تھی، جب وہ حسین کی جنگ کے بعد واپس آیا تو میں اس کے پاس گیا اور خیریت دریافت کی۔ اس نے کہا تم میری خیریت کیا پوچھتے ہو اس لئے کہ کوئی اپنے گھر سے سفر کرنے والا اس بری طرح واپس نہ آیا ہوگا جس طرح میں واپس آیا ہوں۔ میں نے قریبی رشتہ داری کا کوئی لحاظ نہ کیا اور ایک بڑے جرم کا ارتکاب کیا۔“

خود طبری نے سلیمان بن صرد خزاعی اور ان کی جماعت کے حالات میں حمید بن مسلم کی زبانی جو روایت درج کی ہے وہ بھی اس کی مؤید ہے ملاحظہ ہو۔  
(ج ۷ ص ۴۸)

”حمید بن مسلم قال واللہ  
انی لشاہد بہذا الیوم یوم  
ولّوا سلیمان بن صرد و اثنا  
یومئذ لا کثر من مائتۃ رجل  
من فرسان الشیعۃ ووجوہم  
فی دارۃ قال فتکلم سلیمان بن  
صرد فشدد وما زال یردد  
ذلک القول فی کل جمعة حتی  
حفظتہ۔“

”حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ خدا کی قسم  
میں اس دن موجود تھا جس دن سلیمان بن  
صرد کو حاکم تسلیم کیا گیا۔ ہم لوگ اس دن  
سو (۱۰۰) آدمیوں سے زیادہ تھے، بہادر  
جنگ آزما اور ممتاز شیعوں میں سے، خود

سلیمان بن صد کے مکان میں، سلیمان نے  
بہت سخت لب و لہجہ میں تقریر کی اور برابر  
اسی تقریر کو ہر جمعہ کے دن دوہراتے رہے  
یہاں تک کہ میں نے یاد کر لیا۔“

ظاہر ہے کہ تو ابین کی جماعت ان ہی لوگوں پر مشتمل  
تھی جو واقعہ کربلا میں شریک نہ ہوئے تھے۔ اور ان کا  
مقصد تھا قاتلانِ امام حسینؑ سے انتقام لینا۔ اگر حمید بن  
مسلم کا شمار ان لوگوں میں سے ہوتا جو امامؑ سے جنگ کے  
لئے کربلا میں موجود تھے تو کبھی وہ سلیمان بن صد کی  
جماعت میں شامل نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کے بعد جن جن روایات میں کربلا کے حالات  
حمید بن مسلم کی زبانی بطور چشم دید واقعہ کے مذکور ہیں وہ سب  
مشکوک ہو جاتی ہیں اور ان کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔

اس صورت میں کہ جب علی اکبرؑ کی شہادت تمام  
دوسرے اعزاء کے پہلے مانی جائے جس کو ہم نے صحیح ثابت  
کیا ہے تو یہ روایت درایت کے لحاظ سے بھی بالکل غلط قرار  
پا جاتی ہے، اس لئے کہ ان تمام اعزاء کی موجودگی میں جن  
میں حضرت عباسؑ اور ان کے تمام بھائی، اولاد عقیل، اولاد  
جعفر سب ہی موجود تھے، اتنے عظیم واقعہ پر کہ جناب  
زینبؑ (نعموز باللہ) خیمہ سے باہر آجائیں، ان تمام ہاشمی  
جوانوں کے تاثرات کا کچھ نہ کچھ اظہار ضروری تھا اور تنہا  
سید الشہداء کا نام نہ ہوتا کہ آپ اپنی بہن کو سمجھا کر خیمہ میں  
لے گئے۔ یہ تو اسی وقت ممکن تھا جب اس وقت سوائے  
حضرت سید الشہداء کے کوئی اور موجود ہی نہ ہوتا اور آپ  
بالکل بے بس اور بے کس ہوتے۔

طبری میں ہے کہ امامؑ نو جوانانِ بنی ہاشم کی طرف

متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ”اٹھاؤ اپنے بھائی کی لاش“ سب  
نو جوان آگے بڑھے اور انھوں نے علی اکبرؑ کی لاش کو لا کر  
اس خیمہ کے آگے رکھ دیا جو مرکز سپاہ کی حیثیت سے قرار دیا  
گیا تھا اور جس کے آگے جنگ ہوتی تھی۔ ابن شہر آشوب  
نے چونکہ جناب علی اکبرؑ کی شہادت کو تمام اعزاء کے بعد لکھا  
ہے، اس لئے ان کی روایت کے لحاظ سے اب نو جوانان  
بنی ہاشم باقی ہی نہ تھے۔ امامؑ نے خود سینہ سے لگا کر علی اکبرؑ  
کی لاش اٹھائی اور اسے لا کر خیمہ کے آگے رکھ دیا۔ اس  
موقع پر ابن شہر آشوب نے یہ فقرہ عجیب لکھا ہے:

”فصارت امہ شہر بانویہ

ولہی، تنظر الیہ ولا تتکلم۔“

”ان کی ماں شہر بانو غم سے بالکل

مبہوت ہو گئیں۔ وہ ٹٹکی باندھے بس دیکھتی

تھی اور کچھ بات نہ کرتی تھیں۔“

حالانکہ ابن شہر آشوب خود لکھ چکے ہیں کہ جناب علی  
اکبرؑ کی ماں شہر بانو نہ تھیں۔ انھوں نے جناب علی اکبرؑ کی ماں  
کا نام ”برہ بنت عروہ بن مسعود الشقفی“ لکھا ہے۔

یہ بھی میرے خیال میں غلط ہے اور ممکن ہے چھاپہ کی  
غلطی ہو۔ والدہ علی اکبرؑ کا نام جیسا کہ آپ پہلے دیکھ چکے  
ہیں ”لیلی بنت ابی مرثہ بن عروہ بن مسعود تھا۔ اس میں  
”لیلی“ کے باپ کا نام ”ابو مرثہ“ ہے۔ اسی سے ”برہ“ کی  
لفظ بن گئی۔ اور لیلیٰ کا نام غلطی سے حذف ہو گیا۔

رہ گئیں جناب شہر بانو، ان کا تو واقعہ کربلا میں وجود  
ہی نہیں ثابت ہے۔

